© rasailojaraid.com

مظفر حسین

مقامِ مصطفیٰ ـــــ در دلِ اقبالؒ

ایک مسلمان گھرانے کے چشم و چراغ اور ایک صوفی باپ کے فرزند ارجمند کی حیثیت سے علامہ اقبالؒ کا نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے گہرا قلبی لگاؤ، یوں تو ایک فطری بات ہے لیکن جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ یہ جذبہ نہ صرف ان کی پوری زندگی کو محیط ہے بلکہ ان کی زندگی کا وہ تخلیقی جوہر ہے جو مہ و سال گزرنے کے ساتھ برابر اور متواتر ترقی کرتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ آخر عمر میں ان کی پوری شخصیت اس ایک جذبے میں مرتکز ہو کر مہبطِ انوارِ محمدیہ بن گئی اور آپ نے اپنی زندگی کو کاملاً اسی ایک جذبے کی نذر کر دیا تو بات فقط ثقافتی اثرات اور میراثِ پدری تک ہی محدود نہیں رکھی جا سکتی۔ بالخصوص ایسی صورت میں جبکہ ہماری گفتگو ایسی شخصیت کے بارے میں ہو، جس کا شمار اپنے عہد کے چوٹی کے فلاسفہ میں ہوتا ہو۔ جو مزاجِ عصر کو بدلنے کا عزم رکھتا ہو[1] جس کا دعویٰ یہ ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے اس کے جذبے کو ہی تسکین نہیں ملی بلکہ اس کی عقل نے بھی اپنی مراد یہیں سے پائی ہے[2] جس کا عقیدہ یہ ہو کہ ہم آج بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے اسی طرح مستفیض ہو سکتے ہیں۔ جس طرح آپ کی زندگی میں صحابہ کرام ہوا کرتے تھے[3] جس نے اپنے کامل شعور کے ساتھ گواہی دی ہو کہ انسانیت کا یہی وہ مقام ہے جس میں عیشِ دوام کا سراغ ملتا ہے[4] جس کے نزدیک نبیؐ کی ذات خدا سے بھی محبوب تر ہو[5] اور نبی کریمؐ کی ذاتِ اقدس کے لئے جذباتِ شکرگزاری کے لئے جس کے وجود کا ذرہ ذرہ چھلکا پڑتا ہو[6]

اقبالؒ اور حُبِّ رسولؐ

سید ابوالحسن ندوی نے علامہ اقبال کی شخصیت کے چار تخلیقی عنصر گنوائے ہیں اور ان میں حُبِّ رسولؐ کو بجا طور پر ایک اہم عنصر کی حیثیت دی ہے[7] علامہ اقبال کو ذاتی طور پر جاننے والے سبھی لوگوں اس امر کی تصدیق کی ہے کہ سیرتِ اقبال میں حُبِّ رسولؐ کا عنصر اتنا قوی تھا کہ کوئی بھی ملنے والا اس سے متاثر ہوئے بغیر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں رہ سکتا تھا۔ حکیم عبدالمجید قریشی مرحوم نے لکھا ہے کہ جب تک علامہ اقبال کو قریب سے نہ دیکھا جائے اس شیفتگی اور عشق کا اندازہ لگانا مشکل ہے جو ان کو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تھی ۸؎ آخر عمر میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اُن کا دل اس قدر رقیق ہوگیا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام زبان پہ آتے ہی اشک بار ہو جاتے اور بسا اوقات اس قدر رقت طاری ہو جاتی کہ ہم جلیسوں کو ان کی زندگی کے بارے میں تشویش لاحق ہو جاتی ۹؎ آپ کے ایک قریبی دوست غلام بھیک نیرنگ نے علامہ اقبال کے حالات کے بیان میں لکھا ہے کہ حضور سرور کائنات سے ان کے قلبی تعلق کے پیش نظر انہوں نے خاص خاص لوگوں سے بطور راز کہہ رکھا تھا کہ اگر علامہ اقبال حضور کے مرقد پاک پر حاضر ہوئے تو زندہ واپس نہیں آئیں گے ۱۰؎ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر کے بارے میں ان کا آبگینۂ احساس اس قدر نازک تھا کہ اگر کوئی مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ان کے سامنے درود شریف پڑھے بغیر زبان پر لاتا تو اس قدر تکلیف محسوس کرتے کہ بسا اوقات پوری رات اسی کرب اور تکلیف میں گزر جاتی ۱۱؎ پاس ادب کا اپنا یہ عالم تھا کہ علالت کے آخری ایام میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام زبان پر لانے سے پہلے اس بات کا پورا پورا اطمینان کر لیتے کہ حواس اور بدنی حالت میں کوئی خرابی تو نہیں ۱۲؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر مکمل اعتماد و یقین کی کیفیت کا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے سید نذیر نیازی نے لکھا ہے ۱۳؎ کہ ایک بار جب ان کے سامنے حضرت ابو سعید خدری کی اس روائت کا ذکر آیا کہ حضور رسالت مآب اپنے بعض احباب کے ساتھ احد پر تشریف لے گئے، اور احد کانپ اٹھا تو حضرت علامہ فرمانے لگے۔ "یہ محض استعارہ نہیں ہے۔" اور پھر درد کی تکلیف کے باوجود ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے فرمایا۔

"MIND YOU ! IT IS NO METAPHOR"

اقبال اور حبِ رسولؐ کی پرورش

ڈاکٹر عبدالحمید ملک راوی ہیں کہ ایک بار انہوں نے حضرت علامہ سے استفسار کیا کہ حضور سرورؐ کائنات سے محبت کا گنجِ گراں مایہ انہیں کیسے ملا؟ آپ نے بلا توقف ارشاد فرمایا کہ درود شریف کے ورد کی کثرت کی برکت سے ۱۴؎ اس بات کی طرف ان کی شاعری میں بھی اشارہ ملتا ہے۔

کافر ہندی ہوں میں دیکھ میرا ذوق و شوق
لب پہ درود و صلوات دل میں درود و صلوات

لیکن درود شریف کی کثرت کے ساتھ ساتھ نبوت محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی معنوی حیثیت پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

غور و خوض بھی زندگی بھر آپ کا مستقل وظیفہ رہا۔ جو آپ کے لوحِ دل پر عظمتِ رسولؐ کے نقوش اُجاگر کرکے جذبۂ حُبِ رسولؐ کی پرورش کرتا رہا۔ خواجہ عبدالوحید صاحب کی ڈائری کے ایک ورق صفحہ (مورخہ ۴ جولائی ۱۹۳۶ء) کے یہ الفاظ خاص طور پر قابلِ توجہ ہیں۔

"آپ نے نبوت پر عمومی اور نبوت محمدیہ پر خصوصی روشنی ڈالی۔ حضرت علامہ کا یہ پختہ خیال ہے کہ نبوت محمدیہ کی معنوی حیثیت کو ابھی تک انسان نہیں سمجھا۔ ان کا دعویٰ ہے کہ بعض بزرگان سلف بھی اس کی کُنہ کو نہیں پہنچے۔ وہ مدعی تھے کہ خود ان کو اس حقیقت کو سمجھنے کی توفیق حاصل ہوئی ہے اور اس موضوع پر وہ تفصیل سے اپنی مجوزہ کتاب "تمہید القرآن" میں روشنی ڈالیں گے۔"

عبدالمجید سالک نے اپنے بیان میں اس سے ملتی جلتی بات کہی ہے جس سے اس بات کی مزید تصدیق ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں۔

"وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا کو ساری کائنات سے افضل جانتے تھے اور ہر مسلمان جانتا ہی ہے۔ لیکن عام مسلمانوں کے ماننے اور ان کے ماننے میں فرق یہ تھا کہ مسلمان اعتقاداً کہتے ہیں۔ ؎ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر
لیکن حضرت علامہ تحقیقاً اس عقیدے کو تسلیم کرتے تھے اور جب اس موضوع پر گفتگو فرماتے تو الہام والہام، مقامِ نبوت، انسانیت کاملہ، توازن جذبہ وادراک اور حریت انسان کے مسائل پر نفسیاتِ جدید کی رُو سے ایسی سیر حاصل بحث فرماتے کہ کسی مخالف کو بھی حضور کے انسانِ کامل ہونے میں شبہ کی گنجائش باقی نہ رہتی۔"

غرض یہ کہ علامہ اقبال اپنے ذکر و فکر اور علم و عرفان انوارِ محمدیہ سے ہمیشہ مستفیض ہوتے رہے۔ اور ان کا دل تجلیاتِ محمدیہ سے طُور بنا رہا۔ محبت کے انہیں جذبات سے سرشاری کی کیفیت میں وہ ایک مجذوبانہ کیفیت سے پکار اٹھتے ہیں۔

بکوئے تو گداز یک نوا بس — مرا ایں ابتدا ایں انتہا بس
خراب جرأت آں رندِ پاکم — خدا را گفت ما را مصطفےٰ بس

اقبالؒ کی دینی فکر اور اسوۂ رسولؐ

راقم الحروف کی ناچیز رائے میں امورِ دینیہ میں علامہ اقبال کی صحتِ بصیرت اور سلامتیٔ فکر کا راز فقط

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی ایک نکتے میں مضمر ہے کہ آپ "دین ہمہ اوست" کی رمز سے آشنا تھے۔ اس نکتے کی معنویت یوں سمجھ میں آ سکتی ہے کہ اسلام کی حقیقت اگر کلمہ طیبہ میں سمٹ آئی ہے تو آپ نے اس کے دوسرے ٹکڑے یعنی محمد رسول اللہؐ کی اہمیت کو اچھی طرح دلنشین کر لیا تھا۔ جو اس کے پہلے ٹکڑے یعنی لاالہ الا اللہ کی صحت کی واحد ضمانت ہے۔ کیونکہ توحید وہی معتبر ہے جس پر پیغمبر کی مہر تصدیق ثبت ہو۔ حضرت مجدد الف ثانی کا یہ قول آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے کہ "خدا را بایں طور مے شناسم کہ خدائے محمد است" بلاشبہ اگر مقصد توحید خدائے محمد نہ ہو تو وہ کسی نہ کسی قسم کا بت ہے خدا ہرگز نہیں ہے۔

علامہ اقبال کے نزدیک خدا کی ہستی پر محکم ترین دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شہادت ہے۔ ایک بار آپ کی کسی تقریر کے دوران سامعین میں سے کسی نے پوچھ لیا، کہ خدا کی ہستی کس طرح ثابت ہوتی ہے تو اس کے جواب میں آپ نے فرمایا:

"دنیا کی وہ عظیم ہستی جس کو بعثت سے پہلے ہی لوگ امین جیسے لقب سے پکارتے تھے۔ فرماتے ہیں خدا موجود ہے اس لئے ہمارے پاس کسی قسم کی بحث کا جواز باقی نہیں رہتا اور ہم اس پر مکمل یقین رکھتے ہیں۔"

غور سے دیکھا جائے تو شریعت اور طریقت میں جتنی بھی لغزشیں بعض علماء اور صوفیا کی ذہنی اور روحانی نارسائیوں کے باعث سرزد ہوئی ہیں۔ ان سب کا بنیادی سبب بالآخر یہی قرار پاتا ہے کہ یہ لوگ مقامِ رسولؐ کی حقیقت تک رسائی حاصل کرنے میں کسی نہ کسی وجہ سے ناکام رہ گئے تھے۔ بعض علماء نے حفاظت توحید کے جوش میں محمد رسول اللہ کا ترجمہ "محمد فقط رسولؐ ہیں خدا نہیں" کرتے ہوئے بشریت پر زور دینے کی غرض سے اس ٹکڑے کے معانی کو الوہیت کی نفی تک محدود کر دیا۔ جس کی وجہ سے (معاذ اللہ) پیغمبر کی حیثیت ایک چھٹی رساں پیغام بر (یعنی فقط ایک ذریعہ) سے زیادہ متصور نہ ہو سکی اور شریعت ایک مردہ اور بے جان قوانین کا مجموعہ بن کر رہ گئی۔ اس طرح بعض صوفیا عرفان ذاتِ باری تعالیٰ کے شوق میں گمراہ بلکہ بدراہ ہو کر (معاذ اللہ) یہاں تک کہہ گزرے ؎

پنجہ در پنجۂ خدا دارم   من چہ پروائے مصطفےٰ دارم   (شیخ ملا)

اور یہ بدمستی بھی پیغمبر یا اس کی لائی ہوئی شریعت کو محض ایک ذریعہ سمجھنے ہی کا نتیجہ تھی۔ یہ علما و صوفیا خدا کی محبت کے زعمِ باطل میں یہ سادہ سی حقیقت فراموش کر گئے کہ پیغمبر کی ذات ہی خدا رسیدگی کا واحد اور ناگزیر وسیلہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے اور جس خدا کی محبت کے یہ مدعی ہیں وہ خود فرماتا ہے "قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ"
جس کی رُو سے فاتبعونی کی شرط پوری نہ ہو تو محبت کا جذبہ بھی نارسا ہے خواہ یہ جذبۂ محبت اپنی طلب میں کتنا ہی
صادق کیوں نہ ہو۔ لیکن شوقِ اتباع کا جذبہ اگر قوی ہو تو خدا کا محبوب بن جانا بھی دشوار نہیں ہے۔ اس لئے
اگر علامہ اقبال حُبِّ رسول پر زور دیتے ہوئے یہ فرماتے ہیں۔

قوتِ قلب و جگر گردد نبیؐ ازخدا محبوب تر گردد نبیؐ

تو یہ دین کی اصل پاکیزگی کی طرف لوٹانے کی ایک عملی صورت ہے۔ نبیؐ کی ذات سے اخلاص و محبت کا رشتہ
قائم ہو جائے تو یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ خدا طلبی کا داعیہ بیدار نہ ہو اور رفتہ رفتہ اشدُّ حُبّ للّٰہ کی کیفیت پیدا
نہ ہو۔

درحقیقت علامہ اقبال کی مذہبی بصیرت نے انہیں آغاز میں ہی اس نتیجے تک پہنچا دیا تھا کہ عملی
حیثیت سے مذہب کی حقیقت رسولؐ ہی کی شخصیت کا اظہار و انکشاف ہے۔ جسے ہم شریعت اور طریقت
کے دو نام دے دیتے ہیں۔ ۱۹۰۹ء میں ہندوستان ریویو میں آپ کا ایک مقالہ "اسلام — ایک اخلاقی
اور سیاسی نصب العین کی حیثیت سے" (ISLAM AS A MORAL AND POLITICAL
IDEAL) کے عنوان سے شائع ہوا جو آپ کی بہت ابتدائی تحریروں میں سے ہے۔ اس میں آپ
بڑی صراحت اور وضاحت سے لکھتے ہیں۔

"جب میں یہ کہتا ہوں کہ مذہب درحقیقت کسی قوم کے تجرباتِ زندگی کا وہ مجموعہ ہوتا ہے جو
ایک عظیم شخصیت کے ذریعے ایک قطعی اظہار کی شکل اختیار کرتا ہے تو میں حقیقتِ وحی کو ہی
سائنس کی زبان میں بیان کر رہا ہوتا ہوں۔"[۴]

گویا ان کے نزدیک قوم میں سیرتِ رسول کے نفوذ کا ہی دوسرا نام مذہب ہے۔ ان کا یہ نظریہ حضرت
ابوبکر صدیقؓ کے اس قول پر مبنی ہے۔ جس میں آپؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خدا سے محبوب تر رکھنے کی
وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا تھا:

"آپؐ کی بعثت سے پہلے ہم بھی یہیں تھے اور اللہ بھی یہیں تھا۔ نہ اُس نے ہم کو پوچھا
اور نہ ہم نے اُس کو پہچانا۔ اب جو اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم آگیا تو ہم نے اللہ کو پہچان لیا
اور اللہ نے ہم کو۔"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حقیقتِ مذہب کے بارے میں ان کا یہ نظریہ غور و فکر کے ساتھ ساتھ پختہ سے پختہ تر ہوتا چلا گیا چنانچہ اپنی زندگی کے آخری دنوں میں وقت کے ایک جید عالمِ دین سے خطاب کرتے ہوئے انہیں اس رمزِ دین کی وضاحت کرنی پڑی۔

بمصطفیٰؐ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

اقبال کی فلسفیانہ فکر اور اسوۂ رسولؐ

ایک فلسفی کی حیثیت سے علامہ اقبال کی دلچسپی کے موضوعات زیادہ تر وہ مسائل تھے جو انسان کی عملی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں۔ چنانچہ وہ ایسے فلسفیوں پر افسوس ظاہر کرتے ہیں، جو زندگی کے مسائل کو نظر انداز کرکے مابعد الطبعیاتی مسائل کو اپنی غور و فکر کا موضوع بناتے ہیں۔

حکیماں گرچہ صد پیکر شکستند مقیم سومنات بود و ہستند

چساں افرشتہ و یزداں بگیرند ہنوز آدم بفتراکے نہ بستند

آپ کے نزدیک فلسفی کو اپنے غور و فکر میں بامقصد اور افادیت پسند ہونا چاہیئے جو فلسفی انسان کے قوائے عملیہ کو مہمیز کرنے کے بجائے قوائے عقلیہ کو جلا دینے کی فکر کرے۔ وہ آپ کے خیال میں حقائقِ دین سے بے بہرہ رہتا ہے خواہ وہ رازی ہی کیوں نہ ہو۔

ز رازی معنیٔ قرآں چہ پرسی ضمیر ما بآیاتش دلیل است

خرد آتش فروزد دل بسوزد ہمیں تفسیرِ نمرود و خلیل است

اس لئے علامہ اقبالؒ نے اپنے غور و فکر کا مرکز و محور خودی یا انسانی ذات کو بنایا۔ پھر چونکہ ان کا مقصد انسان کے قوائے عمل کو انگیز کرنے کا تھا۔ اس لئے انہیں ذاتِ انسانی کی ابتداء سے کہیں زیادہ دلچسپی اس کی انتہا کے بارے میں تھی وہ مقدرِ انسانی کے راز داں بننا چاہتے تھے۔ ان کے نزدیک انسان کا انتہائی حصولِ کمال اس کی سیرت (CHARACTER) ہے بہ دقتِ نظر سے دیکھا جائے تو قرآن کا موضوع بھی تشکیلِ سیرت ہی ہے۔ قرآن میں اگرچہ خدا، فرشتے، آخرت، جنت دوزخ، قیامت، حشر نشر وغیرہ مابعد الطبعیاتی حقائق کا ذکر آتا ہے اور بہت کثرت سے آتا ہے۔ لیکن قرآن میں ان حقائق کی ماہیت اور حقیقت پر علمی اور عقلی بحث نہیں کی گئی۔ اور ہر چند کہ ہمارے علما اور مفسرین نے ان پر عقل کی حاشیہ آرائی بہت کی ہے۔ لیکن ان کی ساری کوششوں کے باوجود ان کی حقیقت کھلتی نہیں لیکن اس کے برعکس قرآن میں انسان کی سیرت سازی اور تشکیلِ معاشرہ کے بارے میں جو تفصیلات بیان کی گئی ہیں ان کو غور و فکر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا موضوع قرار دیا جائے تو زندگی کے عملی مسائل حل کیے جا سکتے ہیں۔ علامہ اقبالؒ اس نکتے سے بخوبی آگاہ تھے۔ فرماتے ہیں:

گدائے جلوہ رفتی بر سرِ طور کہ جانِ تو ز خود نا محرمے ہست
قدم در جستجوئے آدمے زن خدا ہم در تلاشِ آدمے ہست

چنانچہ ان کے نزدیک قرآن کا موضوع ہی "تلاشِ آدم" اور "آدم گری" ہے جس کا نمونۂ کمال ہیں اسوۂ رسول میں ملتا ہے۔ اس لحاظ سے بھی دیکھا جائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت استوار کرنا سیرت سازی کا ایک ناگزیر تقاضا قرار پاتا ہے۔ جس پر علامہ اقبال کا زور دینا بالکل بجا ہے۔

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسیں وہی طٰہٰ

رشید احمد صدیقی نے ایک جگہ کہا ہے کہ علامہ اقبالؒ پر ایک بڑے مذہب کی گرفت اتنی نہیں جتنی کہ ایک بڑی شخصیتؐ کی لیکن حق تو یہ ہے کہ علامہ اقبال نے اپنے مذہبی تصورات میں شخصیتؐ سے الگ ہو کر دین کے بارے میں کبھی سوچا ہی نہیں ہے

تو فرمودی رہ بطحا گرفتیم وگرنہ جز تو مارا منزلے نیست

اور یہی ان کی راست فکری کی دلیل ہے جو انہیں فلسفی ہوتے ہوئے بھی کٹر سے کٹر راسخ العقیدہ مسلمانوں میں بھی معزز و محترم بناتی ہے۔

تصوّف کے بارے میں اقبالؒ کا نقطۂ نظر اور اسوۂ رسولؐ

تصوّف کی طرف آیئے تو یہاں بھی علامہ اقبال کا منفرد نقطۂ نظر انہیں اسی راستے پر ڈالتا ہے، جس کی آخری منزل عبدہٗ یعنی اسوۂ رسول ہے۔ پروفیسر اینماری شمل نے تصوّف کی دو بڑی قسمیں بیان کی ہیں۔ جن میں سے ایک کو وہ تصوفِ ابدیت (MYSTICISM OF ETERNITY) کا نام دیتی ہیں اور دوسرے کو تصوفِ عبدیت (MYSTICISM OF PERSONALITY) کا مبدا[۲۱] اول الذکر کا تعلق گیان دھیان اور مراقبوں سے ہے اور اس کی آخری منزل نروان یا وحدت الوجود ہے۔ آخر الذکر کا تعلق تعمیرِ سیرت سے ہے جس سے ایک پختہ شخصیت معرضِ وجود میں آتی ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور علامہ اقبال اسی دبستانِ تصوف سے تعلق رکھتے ہیں۔ عبدالمجید سالک نے علامہ اقبال کے حالات کے بیان میں ایک دلچسپ واقعہ بیان کیا ہے جس سے تصوّف کے بارے میں ان کے مخصوص نکتۂ نظر کی وضاحت ہوتی ہے وہ لکھتے ہیں [۲۳]

"میں شام کے وقت حسبِ معمول حاضرِ خدمت تھا کہ ایک بزرگ فقیر حضرت کے پاس آئے باتیں شروع ہوئیں حضرت نے فرمایا:" سائیں جی میرے لئے دعا کیجیے۔" وہ کہنے لگے، "کیا آپ کو دولت مطلوب ہے۔" فرمانے لگے نہیں مجھے دولت کی ہوس نہیں۔ درویش آدمی ہوں۔ اللہ مجھے ضرورت کے مطابق عطا کر دیتا ہے۔" پھر فقیر نے پوچھا" کیا دنیا میں عزّت وجاہ کے طلبگار ہو؟" حضرت نے فرمایا۔" نہیں وہ بھی اللہ کے فضل سے حاصل ہے۔ میں کسی اونچے رتبہ کا طالب نہیں۔" سائیں جی نے پھر پوچھا تو پھر کیا خدا سے ملنا چاہتے ہو؟" اس پر حضرت کی آنکھوں میں خاص چمک پیدا ہوئی۔ فرمانے لگے۔ خدا سے ملنا! سائیں جی خدا خدا کرو۔ میں بندہ وہ خدا! میرا اس کا واسطہ صرف بندگی کا ہے۔ ملنا کیا معنی؟۔ اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ خدا مجھ سے ملنے آ رہا ہے تو میں بیس کوس بھاگ جاؤں۔ اس لئے کہ دریا قطرے سے ملے گا تو قطرہ غائب ہو جائے گا۔ میں قطرہ کی حیثیت سے قائم رہنا چاہتا ہوں اور اپنے آپ کو مٹانا نہیں چاہتا بلکہ قطرہ رہ کر اپنے آپ میں دریا کے خواص پیدا کرنا چاہتا ہوں۔

اس پر سائیں بے خود ہو کر جھومنے لگے اور کہنے لگے واہ اقبال بابا۔ جیسا سنتے تھے ویسا ہی پایا تو خود آگاہ مشرب ہے تجھے کسی فقیر کی دعا کی کیا ضرورت ہے۔"

خواجہ حسن نظامی کے نام جو خط آپ نے ۳۰ دسمبر ۱۹۱۵ء کو لکھا [۲۴] اس میں تصوف کے بارے میں آپ کے نقطۂ نظر کی مزید وضاحت ہوتی ہے اس تحریر کی روشنی میں آپ کا موقف پوری طرح سے سمجھا جا سکتا ہے۔ اس خط سے چیدہ چیدہ اقتباسات یہاں نقل کیے جاتے ہیں۔

"آپ کے تصوف کی اصطلاح میں اگر اپنے مذہب کو بیان کروں تو یہ ہوگا کہ شانِ عبدیت انتہائی کمالِ روحِ انسانی کا ہے۔ اس سے آگے اور کوئی مرتبہ نہیں ہے۔

"اصل بات یہ ہے کہ صوفیا کو توحید اور وحدت الوجود کا مفہوم سمجھنے میں بڑی غلطی ہوئی ہے۔ یہ دونوں اصطلاحیں مترادف نہیں ہیں۔ مقدم الذکر کا مفہوم مذہبی ہے اور موخر الذکر کا مفہوم خالص

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فلسفیانہ ہے۔ توحید کی ضد کثرت نہیں ہے جیسا کہ بعض صوفیا سمجھتے ہیں بلکہ شرک ہے ہاں وحدت الوجود کی ضد کثرت ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

"اسلام کی تعلیم نہایت صاف اور واضح اور روشن ہے۔ یعنی عبادت کے لائق صرف ایک ذات ہے۔ باقی جو کثرت عالم میں نظر آتی ہے وہ سب کی سب مخلوق ہے، گو علمی اور فلسفیانہ اعتبار سے اس کی حقیقت ایک ہی کیوں نہ ہو۔ چونکہ صوفیا نے فلسفہ اور مذہب کے دو مختلف مسائل (وحدت الوجود اور توحید) کو ایک ہی سمجھ لیا اس لئے ان کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ توحید کو ثابت کرنے کا کوئی اور طریق ہونا چاہیئے جو عقل اور ادراک کے قوانین سے تعلق نہ رکھتا ہو۔ اس غرض کے لئے حالت سکر ممد و معاون ہوتی ہے اور یہ ہے اصل مسئلہ حال و مقامات کی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

"قرآنی تعلیمات کی روشنی میں یا اس کی رو سے وجود فی الخارج (کائنات) کی ذات باری کے ساتھ اتحاد یا عینیت کی نسبت نہیں ہے بلکہ مخلوقیت کی نسبت ہے۔ (یعنی خدا خالق ہے اور کائنات مخلوق اور مخلوق کے مابین مغائرت کلی ہے)"

اس مسئلہ وحدت الوجود پر بحث کرتے ہوئے خان محمد نیاز الدین خان کا نام اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں [۲۴]

"میرا مذہب تو یہ ہے کہ یہ سارے مباحث مذہب کا مفہوم غلط سمجھنے سے پیدا ہوتے ہیں۔ مذہب کا مقصود عمل ہے نہ (کہ) انسان کے عقلی تقاضوں کو پورا کرنا۔"

۱۹۱۶ء میں اسلام کے سیاسی پہلو کی وضاحت کرنے کے لئے تصوف کی تاریخ پر ایک کتاب لکھنے کا منصوبہ بھی ان کے پیش نظر رہا۔ خان نیاز الدین خان مرحوم کے نام ایک خط سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اس کتاب کے دو باب لکھے جا چکے تھے۔ اسی خط میں وہ نیاز الدین صاحب کو لکھتے ہیں [۲۵]

"تصوف کے ادبیات کا وہ حصہ جو اخلاق و عمل سے تعلق رکھتا ہے۔ نہایت قابل قدر ہے۔ کیونکہ اس کے پڑھنے سے طبیعت میں سوز و گداز کی حالت طاری ہوتی ہے۔ فلسفہ کا حصہ محض بیکار ہے اور بعض صورتوں میں میرے خیال میں تعلیم قرآن کے مخالف۔ اسی فلسفہ نے متاخرین صوفیہ کی توجہ صور و اشکال عینی کے مشاہدہ (کی) طرف کر دی اور ان کا نصب العین محض عینی اشکال کا مشاہدہ بن گیا، حالانکہ اسلامی نقطہ خیال سے تزکیہ نفس کا مقصد از دیاد یقین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

استقامت ہے اخلاقی اور عملی اعتبار سے متصوفین اسلامیہ کی حکایات و مقولات کا مطالعہ نہایت مفید ہے لیکن دین کی اصل حقیقت آئمہ اور علماء کی کتابیں پڑھنے سے ہی کھلتی ہے۔ اور آج کل زمانے کا اقتضاء یہ ہے کہ علم دین حاصل کیا جائے اور اسلام کے عملی پہلو کو نہایت وضاحت سے پیش کیا جائے۔ حضراتِ صوفیہ خود کہتے ہیں کہ شریعت ظاہر ہے اور تصوّف باطن لیکن اس پُر آشوب زمانے میں وہ ظاہر جس کا باطن تصوّف ہے۔ معرضِ خطر میں ہے۔ اگر ظاہر قائم نہ رہا تو اس کا باطن کس طرح قائم رہ سکتا ہے۔ مسلمانوں کی حالت آج کل بالکل ویسی ہے جیسے کہ اسلامی فتوحات ہندوستان کے وقت ہندوؤں کی تھی یا ان فتوحات کے اثر سے ہو گئی تھی۔"

چنانچہ آپ نے اس حقیقت کو ذہن نشین کرانے پر بہت زور دیا ہے کہ شریعت ہی اصل طریقت ہے۔ فرماتے ہیں ؎

در شریعت معنی دیگر مجو   غیر ضو در باطن گوہر مجو
ایں گہر را خود خدا گوہر گر است   ظاہرش گوہر بطونش گوہر است

غور سے دیکھا جائے تو درحقیقت یہ بھی اتباعِ رسولؐ پر ہی زور دینے کا طریقہ تھا کہ مروجہ تصوّف کی اصلاح کی غرض سے آپ نے بار بار اُمتِ مسلمہ کو اس بات کی طرف متوجہ کیا کہ وہ شریعت کو مضبوطی سے تھام لیں کیونکہ طریقت شریعت میں ہی اخلاص پیدا کرنے کا دوسرا نام ہے ؎

پس طریقت چیست اے والا صفات   شرع را دیدن بہ اعماقِ حیات
از شریعت احسن التقویم شو   وارثِ ایمانِ ابراہیم شو
از جدائی گرچہ جاں آید بہ لب   وصل او کم جو رضائے او طلب
مصطفیٰ داد از رضائے او خبر   نیست در احکامِ دیں چیزے دگر
طینتِ پاکِ مسلماں گوہر است   آب و تابش از یمِ پیغمبر است
آبِ نیسانی بہ آغوشش در آ   در میانِ قلزمش گوہر بر آ
در جہاں روشن تر از خورشید شو   صاحبِ تابانی جاوید شو

اور جہاں کہیں آپ نے خالص تصوف کی زبان استعمال کی وہاں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو ہمیشہ سامنے رکھا ہے۔ یہاں تک کہ آپ نے "وحدت الوجود" کے "مقام" یا "حال" یا "واردات" کے لئے "ہمہ اوست" کی اصطلاح کے مقابلے میں "دین ہمہ اوست"۔ کے مقام، حال اور واردات کو دین کی آخری منزل قرار دیا۔ جس کی وجہ سے تصوّف میں پیدا ہونے والی خرابیوں کی اصلاح ممکن ہوئی۔

می ندانی عشق و مستی از کجا ست ‏ ‏ ‏ این شعاعِ آفتاب مصطفیٰ است

تا نہ داری از محمدؐ رنگ و بو ‏ ‏ ‏ از درود خود میا نام او

زندہ تا نور او در جان تست ‏ ‏ ‏ این نگہدارندہ ایمان تست

فقر و ذوق و شوق و تسلیم و رضاست ‏ ‏ ‏ ما امینیم این متاع مصطفیٰ است

معنی دیدار آں آخر زماںؐ ‏ ‏ ‏ حکم او برخویشتن کردن رواں

اقبالؒ کا فلسفۂ خودی اور اسوۂ رسولؐ

علامہ اقبالؒ کے فلسفہ خودی کا بغائر مطالعہ بھی اس حقیقت کو منکشف کر دیتا ہے کہ جس چیز کو علامہ اقبال "خودی" یا مقامِ خویش "سے تعبیر کرتے ہیں وہ تعلق باللہ اور اتباعِ رسولؐ کے سوا کچھ اور نہیں۔

مقامِ خویش اگر خواہی دریں دیر

بحق دل بند و راہِ مصطفیٰؐ رو

آپ [illegible] دیک مثالی خودی کا باطن للہیت اور ظاہر اتباع رسولؐ سے عبارت ہے۔

خودی کی خلوتوں میں کبریائی ‏ ‏ ‏ خودی کی جلوتوں میں مصطفائی*

ظفر احمد صدیقی کے نام اپنے ایک خط میں فرماتے ہیں بلکہ [26]

"دین اسلام جو ہر مسلمان کے عقیدے کی رو سے ہر شے پر مقدم ہے، نفس انسانی اور اس کی

---

* اس شعر کی تشریح کے لئے مندرجہ ذیل اشعار کو پیش نظر رکھیے:

مردِ حق باز آفریند خویش را ‏ ‏ ‏ جز بہ نورِ حق نہ بیند خویش را

(للہیت)

در جہاں زی چوں رسولؐ انس و جاں ‏ ‏ ‏ تا چوں او باشی قبول انس و جاں

باز خود را بیں ہمیں دیدار اوست ‏ ‏ ‏ سُنّتِ او سرے از اسرار اوست

(اتباع رسول)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خودی کو بالکل فنا نہیں کرتا بلکہ اس کے عمل کی حدود متعین کرتا ہے۔ ان حدود کے متعین کرنے کا اصطلاحِ اسلام میں شریعت یا قانونِ الٰہی ہے۔ خودی خواہ ہٹلر کی ہو یا مسولینی کی قانونِ الٰہی کی پابند ہو جائے تو مسلمان ہو جاتی ہے۔

"بہرحال حدودِ خودی کے تعین کا نام شریعت ہے اور شریعت کو اپنے قلب کی گہرائیوں میں محسوس کرنے کا نام طریقت ہے۔ جب احکامِ الٰہی خودی میں اس حد تک سرائت کر جائیں کہ خودی کے پرائیویٹ امیال و عواطف باقی نہ رہیں اور صرف رضائے الٰہی اس کا مقصود ہو جائے۔ تو زندگی کی اس کیفیت کو بعض اکابر صوفیۂ اسلام نے فنا کہا ہے اور بعض نے اس کا نام بقا رکھا ہے"

جیسا کہ ہم اس سے پہلے بھی تفصیل کے ساتھ لکھ آئے ہیں کہ شریعت کی محسوس شکل اسوۂ رسولؐ ہی ہے فلسفۂ خودی کی رُو سے اگر شریعت نام ہے خودی کے استحکام کا تو اس کا آخری معیار سیرتِ رسولؐ ہے اور یہی وجہ ہے کہ علامہ اقبالؒ کی شاعری میں "مصطفےٰؐ" اور "عبدہ" کے الفاظ رفتہ رفتہ شعری علامات میں ڈھل جاتے ہیں جو خودی کی نشو و نما، استحکام اور ترقی کا مقام کمال اور ذاتِ انسانی کی معراج کے طور پر ان کی شاعری میں استعمال ہوئی ہیں۔

سوال:۔ از تو پرسم گرچہ پُرسیدن خطاست | سرِ آں جوہر کہ نامش مصطفےٰؐ است
آدمے یا جوہرے اندر وجود | آنکہ آید گاہے گاہے در وجود

جواب:۔ عبدہٗ از فہم تو بالاتر است | زانکہ او ہم آدم و ہم جوہر است
جوہر او نے عرب نے اعجم است | آدم است و ہم ز آدم اقدم است
کس ز سرِ عبدہٗ آگاہ نیست | عبدہٗ جز سرِ اِلّا اللہ نیست

سے :۔ "آدم" اور "جوہر" کے فرق کے متعلق راقم کی رائے تو یہی ہے کہ آدم سے مراد آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا جامۂ بشریت یعنی آپؐ کی ذاتِ گرامی اور جوہر سے مراد "نورِ مصطفےٰؐ" یعنی سیرت و کردار کا وہ نقشہ جو نقش گرِ ازل کا شاہکار ہے اور جو آدم کی تخلیق سے بھی پہلے اللہ تعالیٰ کے ذہن میں تھا۔ لیکن گرامی کے نام اپنے ایک خط میں علامہ اقبالؒ "جوہر" کی مزید تشریح یوں کرتے ہیں کہ اس مقام پر فائز ہو کر مسلمان اخلاقی اور طبعی تناقضات کو اپنے قلب کی گرمی سے تحلیل کر کے انہیں اپنے اندر جذب کر لیتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تازہ مرے ضمیر میں معرکۂ کہن ہوا
عشق تمام مصطفےٰؐ عقل تمام بولہب

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرار بولہبی

انسان کے بارے میں علامہ اقبال کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ اگرچہ یہ خاکی نژاد ہے۔ لیکن نوری صفات پیدا کرسکتا ہے۔ اگرچہ یہ ایک ذرا سی آب جو ہے لیکن یہ آب جو بحرِ بیکراں بننے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہے۔

تو می گوئی کہ آدم خاک زاد است
اسیرِ عالم کون و فساد است

ولے فطرت ز اعجازی کہ دارد
بنائے بحر بر جوئش نہاد است

لیکن اس آب جو کو بحرِ بیکراں میں تبدیل کرنے کے لئے جو پروگرام وہ تجویز کرتے ہیں۔ اس کا خلاصہ یہ ہے۔

مصطفےٰؐ بحر است و موج او بلند
خیز و ایں دریا بجوئے خویش بند

اقبالؒ کا ذوقِ شاعری اور اسوۂ رسولؐ

فطری طور پر حسن سے متاثر ہوتا ہے جو اس کے اندر شعر گوئی کی تحریک پیدا کرتا ہے۔ علامہ اقبال جس قسم کے حسن سے سب سے زیادہ متاثر تھے وہ اخلاق و کردار اور شخصیت و سیرت کا حسن تھا جسے آپ نے "خودی" کی فلسفیانہ اصطلاح کا نام دیا۔ اس لئے آپ کی شاعری کا موضوع خودی یا دوسرے الفاظ میں حسنِ سیرت و کردار ہے۔ لیکن حسن سیرت و کردار کا جو کامل نمونہ عمر بھر آپ کی شاعری کے لئے زبردست تخلیقی تحریک بنا رہا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی تھی۔ جس میں جلال و جمال اور فقر و شاہی، زہد و جہاد، کی وہ ساری رعنائیاں اور تابانیاں سمٹ آئی ہیں۔ جن کی علامہ اقبالؒ کے شاعرانہ تخیل اور ذوقِ حسن کو تلاش تھی۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ جہاں کہیں بھی حسنِ سیرت کی کوئی چمک دیکھتے ہیں۔ اس میں انہیں اسوۂ رسولؐ کے فیض ہی کی جھلک نظر آتی ہے۔

شوکت سنجر و سلیم تیرے جلال کی نمود
فقر جنید و بایزید تیرا جمال بے نقاب

تو ندانی عشق و مستی از کجاست
ایں شعاع آفتاب مصطفےٰؐ است

زندۂ تا نورِ اُو در جانِ تست
ایں نگہدارندۂ ایمان تست

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فقر ذوق و شوق و تسلیم و رضاست　　ما امینیم ایں متاع مصطفےٰؐ است

فقر و شاہی واردات مصطفےٰؐ است　　ایں تجلیہائے ذات مصطفےٰؐ است

جیساکہ ہم اُوپر بیان کر آئے ہیں کہ "مصطفےٰؐ" کا لفظ علامہ اقبالؒ کے ہاں علامت بن گیا ہے۔ دوسری طرف یہ کہنا بھی غلط نہیں کہ مومن کی تعریف میں جو اشعار آپ نے کہے ہیں وہ ایک اعتبار سے نعتیہ کلام ہیں۔

اقبال کا تصوّر آزادی اور اُسوۂ رسُولؐ

اگرچہ علامہ اقبال کے پیش نظر جو مقصد تھا وہ مسلمانوں کو انگریزوں کی سیاسی غلامی سے نجات دلانے کا مسئلہ تھا۔ لیکن آپ نے اس مقصد کے لیے جو پروگرام مسلمانوں کے سامنے پیش کیا۔ وہ ایک سیاسی حل تک محدود نہیں رہا۔ بلکہ ان میں آزادی کی ایسی نفسیات پیدا کرنا مقصود تھا جو انہیں ماسوا اللہ کی ہر قسم کی غلامی سے نجات دلائے اور ان کی پوری قومی زندگی میں ایک نفسیاتی اور روحانی آزادی کی راہ ہموار کرکے اسلام کی اصل پاکیزگی کی طرف رہنمائی کرے۔ اس غرض کے لئے آپ نے عقیدہ ختم نبوت کی نفسیاتی اور تمدنی اہمیت پر زور دیا۔ آپ کے نزدیک یہ عقیدہ انسان کو ہر قسم کی رُوحانی غلامی سے نجات دلاتا ہے کیونکہ اس سے یہ یقین لازم آتا ہے کہ انسانی تاریخ میں فوق الفطرت سرچشمہ کا منصب ختم ہوچکا ہے اور ہر باطنی واردات اب آزادانہ تنقید پر پرکھی جانے کے قابل ہے۔ اس عقیدہ کی وجہ سے انسان کے اندرونی تجربات میں علم کی نئی راہیں کھلتی ہیں۔ لیکچرز میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ[۲۷]

"جس طرح لاالٰہ کا عقیدہ فطرت کی تمام قوتوں سے اُلوہیت کا لباس اتار پھینکتا ہے اور انسان کے بیرونی تجربات میں تنقیدی مشاہدہ کی رُوح پیدا کرتا ہے (بالکل اُسی طرح) باطنی واردات خواہ وہ کتنی ہی غیر فطری اور غیر معمولی کیوں نہ ہو، مسلمان کے لئے بالکل فطری تجربہ ہے جو دوسرے مشاہدات کی طرح تنقید کی زد میں آتا ہے۔"

ایک دوسرے مقام پر نبوت پر ایک نوٹ میں تحریر فرماتے ہیں کہ[۲۸]

"ایک کامل الہام اور وحی کی غلامی قبول کر لینے کے بعد کسی اور الہام وحی کی غلامی حرام ہے بڑا اچھا سودا ہے کہ ایک غلامی سے باقی سب غلامیوں سے نجات ہوجائے اور لطف یہ ہے کہ نبی آخر الزماںؐ کی غلامی غلامی نہیں بلکہ آزادی ہے۔ کیونکہ اس کی نبوّت کے احکام دین فطرت ہیں۔ یعنی فطرت صحیحہ ان کو خود بخود قبول کرتی ہے۔ فطرت صحیحہ کا انہیں خود بخود قبول کرنا اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بات کی دلیل ہے کہ یہ احکام زندگی کی گہرائیوں سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس واسطے عین فطرت ہیں۔ ایسے احکام نہیں جن کو ایک مطلق العنان حکومت نے ہم پر عائد کر دیا ہے اور جن پر ہم محض خوف سے عمل کرنے پر مجبور ہوں۔ اسلام کو دین فطرت کے طور پر "REALISE" کرنے کا نام تصوف ہے اور ایک اخلاص مند مسلمان کا یہ فرض ہے کہ وہ اس کیفیت کو اپنے اندر پیدا کرے۔"

اقبال کا تصوّرِ ملت اور رسولؐ آخر الزمان

علامہ اقبال نے رسالت کے ملّت ساز پہلو کو اس صراحت اور وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے، جو شاید ان سے پہلے کسی بھی عالم دین سے ممکن نہ ہو سکا تھا۔ اور علامہ اقبال کو بھی اس بات کا احساس تھا۔ چنانچہ خواجہ عبدالوحید صاحب کی ڈائری کا وہ ورق جسے ہم اوپر نقل کر رہے ہیں، اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ ان پر یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں تھی کہ عقیدہ توحید بحذف عقیدہ ختم رسالت ملت کی شیرازہ بندی نہیں کر سکتا۔ جہاں تک نبوت اور ختم رسالت کے منصب کی سماجی اہمیت کا تعلق ہے وہ بجا طور پر اس پر بڑی شدت کے ساتھ اصرار کرتے تھے۔ چنانچہ آپ نے یہ نکتہ نہایت شرح و بسط کے ساتھ واضح کیا کہ تصدیق و تکذیب رسالت ہی سے ایمان اور کفر کا امتیاز کیا جا سکتا ہے۔ فرماتے ہیں۔[۲۹]

"اسلام لازماً ایک دینی جماعت ہے جس کے حدود مقرر ہیں۔ یعنی وحدت الوہیت پر ایمان انبیاء پر ایمان اور رسول کریمؐ کی ختم رسالت پر ایمان۔ دراصل یہ آخری یقین ہی وہ حقیقت ہے جو مسلم اور غیر مسلم کے درمیان وجہ امتیاز ہے ...... ہمارا ایمان ہے کہ اسلام بحیثیت دین کے خدا کی طرف سے ظاہر ہوا۔ لیکن اسلام بحیثیت سوسائٹی کے رسول کریمؐ کی شخصیت کا مرہون منت ہے۔"

نکلسن نے اسرارِ خودی کے انگریزی ترجمہ (SECRETS OF THE SELF) کے دیباچے میں لکھا ہے کہ ملّت اسلامیہ کے احیاء کے لئے "قرآن کی طرف رجوع، اور محمدؐ کی طرف رجوع" کے نعرے اگرچہ پہلے بھی سننے میں آتے رہے ہیں۔ لیکن اقبال کے منہ سے یہ آواز بالکل مختلف نوعیت کی ہے۔ وہ لکھتا ہے:

"(اقبال کے نزدیک) پیغمبر کا تصوّرِ اسلام یہ ہے کہ ایک مثالی معاشرے میں ہی فرد کی مکمل نشو و نما ممکن ہے۔ اس لیے جو مسلمان اسلامی تصور کے مطابق زندگی بسر کرنے کا خواہاں ہے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ حکومت الٰہیہ کے قیام کے لئے جدوجہد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرتا ہے وہ درحقیقت اپنی ہی انفرادیت کی تکمیل کے لئے کوشاں ہے[13]

گویا علامہ اقبال کے نظریے کے مطابق فرد کا روحانی نشوونما اور ارتقا اور اسلامی معاشرے کی تشکیل و تنظیم لازم و ملزوم اور لاینفک طریقے سے باہمدگر مربوط ہیں جس میں آں حضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ذات مستجمع صفات ہی فرد اور ملّت کا نقطہ اتصال ہے جو ایک طرف فرد کی روحانی بالیدگی اور دوسری طرف معاشرے کی تعمیر و ترقی کا ایک ہی قوت آفریں مرکز ہے۔ بالفاظ دیگر فرد اور ملت کے نمونہ ہائے کمال اسوۂ رسول ہی کے دو رُخ ہیں:

رمزِ دیں مصطفیٰ دانی کہ چیست   فاش دیدن خویش را شاہنشہی است

مومناں را گفت آں سلطانِ دیں   مسجد ما ایں ہمہ روئے زمین

بوریا ممنونِ خوابِ راحتش   تاجِ کسریٰ زیرِ پائے اُمتش

در شبستانِ حرا خلوت گزید   قوم و آئین و حکومت آفرید

ماند شبہا چشمِ او محرومِ نوم   تا بہ تختِ خسروی خوابیدہ قوم

وقتِ ہیجا تیغِ اُو آہن گداز   دیدۂ او اشکبار اندر نماز

در دعائے نصرت آمیں تیغِ او   قاطعِ نسلِ سلاطیں تیغِ اُو

در جہاں آئینِ نو آغاز کرد   مسندِ اقوامِ پیشیں در نورد

از کلیدِ دیں درِ دنیا کشاد   ہمچو او بطنِ اُمِ گیتی نزاد

تشکیل جدید الہیات اسلامیہ کے پانچویں خطبے کے شروع میں علامہ اقبال نے شعورِ ولایت اور شعور نبوت کے امتیازات قائم کرکے شعورِ نبوت کو اسلامی ثقافت کی روح قرار دیا ہے۔ آپ کا خیال یہ ہے کہ شعور ولائت اپنے اندر انفرادی ذوق کی تسکین کا سامان تو رکھتا ہے۔ لیکن تاریخ کی رُد کو اپنی گرفت میں لے کر ایک نئے انسان، ایک نئی تہذیب اور ایک نئے تمدن کو معرض وجود میں لانا صرف نبوت کا خاصہ ہے[14]۔ اس لئے دینِ اسلام کے نقطۂ نظر سے خدا طلبی کا روحانی داعیہ سنت اور شریعت کے تابع رہنا چاہیئے جس کے لئے "محمد سے رجوع" ناگزیر ہے۔

از جدائی گرچہ جاں آید بلب   وصل او کم جو رضائے او طلب

مصطفیٰ داد از رضائے او خبر   نیست در احکام دیں چیزے دگر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شعورِ ولایت اور شعورِ نبوت کے امتیازات پر علامہ اقبال کا شدید اصرار اور فرد او رمعاشرہ کی رُوحانی نشوونما کے لئے پیغمبرؑ کی ذات پر مکمل انحصار کرنے کی تلقین بلا وجہ نہیں۔ وہ اس کے دُور رس سیاسی اور اجتماعی نتائج سے بخوبی واقف تھے۔ اس نکتے کی اہمیت اسی وقت پوری طرح سمجھ میں آسکتی ہے جب برصغیر ہندوستان و پاکستان کی سیاسی اور ثقافتی تاریخ کا پورا پس منظر سامنے ہو۔ حافظ عباد اللہ فاروقی مرحوم نے اپنے مقالہ "ہندوستان میں نظریہ وحدت الوجود کا سیاسی پس منظر" میں لکھا ہے کہ ہندوستان میں بھگتی تحریک اور بھگتی مذہب کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ خدا اور بندے کے درمیان پیغمبرؑ کا واسطہ کالعدم قرار دے کر (اور یوں خدا اور بندے کا بلا واسطہ رابطہ باور کرا کے) مسلمان فاتحین اور ہندو مفتوحین کو روحانی اعتبار سے ایک ہی سطح پر لا کھڑا کیا جائے تاکہ مسلمان اپنے قومی تشخص سے دستبردار ہو کر ایک دوسری قومی وحدت میں مدغم ہو جائیں اور یوں ہندو اکثریت رفتہ رفتہ مسلمانوں کو اپنی ثقافت میں جذب کر لے چنانچہ اس تحریک کے زیرِ اثر جب ہمارے صوفیا نے نبوت اور ولایت کے درمیان امتیاز کرنا چھوڑ دیا، بلکہ بعض صوفیا نے الولایۃ افضل من النبوۃ (ولایت نبوت سے افضل ہے) کا نظریہ قائم کر کے عقیدہ توحید بحذف عقیدہ رسالت کو ہی مذہب سمجھ لیا تو اس سے ہندوستان میں مسلمانوں کا ملّی وجود خطرے میں پڑ گیا۔ حضرت مجدّد الف ثانیؒ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس خطرے کو بھانپتے ہوئے مسلمانوں کو مقامِ رسالت سے آگاہ کیا۔ اور شریعت کی پابندی پر زور دے کر اُمّت مسلمہ کی سیاسی اور ثقافتی سرحدوں کی حفاظت کی۔ علامہ اقبال حضرت مجدّد الف ثانیؒ کے تاریخی کردار کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں

وہ ہند میں سرمایہ ملّت کا نگہبان   اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

خود علامہ اقبال کو بھی سرمایہ ملت، کی نگہبانی میں اسی قسم کا تاریخی کردار ادا کرنا پڑا۔ چنانچہ جب اس وقت کے ایک ممتاز عالمِ دین نے متحدہ قومیت کے موقف کی تائید میں وطنیت کو قومیت کی اساس قرار دیا تو آپ نے اس کی سختی سے تردید کی اور کوئی لگی لپٹی رکھے بغیر واشگاف انداز میں اعلان کیا کہ ہماری قومیت کا اصل الاصول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حلقہ بگوشی ہے۔ اس پس منظر میں یہ بات خاص طور پر معنی خیز ہے کہ آپ نے رموزِ بےخودی میں اُمت مسلمہ کے لئے بار بار "امت محمدیہ" کے الفاظ استعمال کئے ہیں اور اس میں آپ نے بڑے دلنشیں پیرائے میں بتایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غیر مشروط محبت اور اطاعت ہی ہماری قومیت کی حقیقی اساس ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اُمتے از ما سوا بیگانۂ بر چراغ مصطفیٰؐ پروانۂ

حق تعالیٰ پیکرِ ما آفرید وز رسالت در تنِ ما جاں دمید

ما ز حکمِ نسبت اُو ملّتیم اصل عالم را سراپا رحمتیم

از میان بحر او خیزیم ما مثلِ موج از ہم نمی ریزیم ما

از رسالت ہم نوا گشتیم ما ہم نوا، ہم مدعا گشتیم ما

تا نہ ایں وحدت ز دست ما رود ہستی ما با ابد ہمدم شود

دل بہ محبوب حجازی بستہ ایم زیں سبب با یکدگر پیوستہ ایم

علامہ اقبال نے شعورِ نبوت اور شعورِ ولایت کے امتیازات پر زور دے کر اُمتِ مسلمہ کو وطنیت اور متحدہ قومیت کے خارجی خطرے سے ہی نہیں بچایا بلکہ قادیانیت کے داخلی فتنے سے بھی آگاہ کیا فرماتے ہیں کہ:

"ہسپانیہ کے برگزیدہ صوفی محی الدین ابن العربی کی سند پر یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ ایک مسلمان کے لئے اپنے روحانی ارتقاء کے دوران اس قسم کا تجربہ حاصل کرنا ممکن ہے۔ جو شعورِ نبوت سے مختص ہے۔ میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ ابن العربی کا یہ خیال نفسیاتی نقطہ نگاہ سے درست نہیں۔"

آگے چل کر لکھتے ہیں:-

"لیکن اگر ان کی اس بات کو بالفرض مان بھی لیا جائے تو ابن العربی ایسے تجربے کو شخصی کمال سمجھتے ہیں۔ جس کی بنا پر کسی ولی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے تجربے کو ایمان و کفر کا معیار قرار دے کر اسے اجتماعی یا سیاسی اہمیت دے ڈالے۔"

(ملت) کے اندرونی استحکام کے لئے ناگزیر ہے کہ ان انتشار انگیز قوتوں (یعنی قادیانیت کے فتنہ اجرائے نبوت) سے محترز رہا جائے۔ جو اسلامی تحریکات کے بھیس میں پیش ہوتی ہیں...... اس طرزِ عمل میں (وجود ملی کی) احیاتیاتی قدر و قیمت مضمر ہے۔"

مختصر یہ کہ علامہ اقبال کے نزدیک محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات سے کامل محبت اور وفاداری اور آپ کی ذات پر شعورِ نبوت کی تکمیل اور اختتام پر غیر متزلزل اور محکم ایمان ہی اُمتِ مسلمہ کی قومی سالمیت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور استحکام کی ضمانت ہے۔

اے کہ بعد از تو نبوت شد بہر مفہوم شرک | بزم را روشن ز نور شمع عرفاں کردۂ

پس خدا برما رسالت ختم کرد | بر رسولِ ما رسالت ختم کرد

رونقِ از ما محفلِ ایّام را | او رُسل را ختم ما اقوام را

خدمتِ ساقی گری با ما گزاشت | داد مارا آخریں جامے کہ داشت

لانبی بعدی ز احسان خدا است | پردۂ ناموسِ دین مصطفٰےؐ است

قوم را سرمایۂ وحدت ازو | حفظ سرِ وحدتِ ملّت ازو

حق تعالٰی نقش ہر دعویٰ شکست | تا ابد اسلام را شیرازہ بست

دل ز غیر اللہ مسلماں برکند | نعرۂ لا قوم بعدی می زند

علاّمہ اقبال نے جدید ترین علمی زبان میں نبوت اور ختم نبوت کے نفسیاتی، تمدنی اور سماجی مضمرات کو اس قدر تشریح اور صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ اگر وہ یہ نہ کرتے تو ہندوستان میں مسلمانوں کے ملی اور تشخص کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچ جانے کا اندیشہ تھا۔

علاّمہ اقبالؒ نے رسالت اور ختم رسالت کے عقیدہ کے معاشرتی، ثقافتی اور سیاسی مضمرات کا بڑی تفصیل کے ساتھ جائزہ لے کر یہ تبلایا ہے کہ دنیا میں دینی پیشوائیت اور موروثی بادشاہت کا خاتمہ اور عقل استقرائی کا ظہور عقیدہ ختم نبوت کے نفسیاتی مضمرات کا لازمی نتیجہ ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ورود مسعود سے دنیا میں حریت و آزادی کی شمعیں فروزاں ہوئیں، اور دنیا میں ایک روحانی اور معاشرتی جمہوریت کی بنیاد پڑی۔ عقل استقرائی کا آغاز، علم وحکمت کا دَور دَورہ ہر عالم فطرت اور عالم تاریخ میں علم انسانی ہمت آزما ہوا۔ چنانچہ ان اعتبارات سے دیکھا جائے تو آنحضرت صلیّ اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شخصیت دنیائے قدیم اور دنیائے جدید کے درمیان ایک ایسے واسطہ کی ہے جو تاریخ میں ترقی کا مینارہ نور ہے۔ دنیا میں آج تک جو بھی ترقی ہوئی اور آئندہ جو بھی ترقی ہو گی وہ درحقیقت آنحضرت صلیّ اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فیضِ دوام کا ثمرہ ہے۔

ہر کجا بینی جہاں رنگ و بو | آں کہ از خاکش بروئید آرزو

یا ز نور مصطفٰےؐ اورا بہا است | یا ہنوز اندر تلاش مصطفٰےؐ است

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دورِ حاضر میں جبکہ ہر طرف سے تغیّر و تبدیلی (CHANGE) کا غلغلہ سننے میں آرہا ہے۔ "ہنوز اندر تلاشِ مصطفےٰ" والی بات سمجھنے میں لوگوں کو بالخصوص غیر مسلموں کو ذرا دقت پیش آئے گی۔ جنہیں اس دور میں ترقی کے لئے چودہ سو سال پیچھے لوٹ کر روشنی تلاش کرنے کی بات کچھ عجیب سی معلوم ہوتی ہے۔ حکمت اقبال میں ڈاکٹر رفیع الدّین مرحوم خودی اور رحمتہ اللعالمین کے باب میں اس سوال کو اٹھایا ہے اور اس ضمن میں فکرِ اقبال کی تشریح کا حق ادا کر دیا ہے۔ فرماتے ہیں [۳۵]

"اطاعت رسول اور اقتدائے رفتگاں پر زور دینے کی وجہ سے اقبال کے بعض نادان نکتہ چین اسے ملائیت، تحجر اور جمود کا طعنہ دیتے ہیں۔ دراصل ایسے لوگ اقبال کی حکیمانہ بصیرت سے بے خبر اور اس کے فکر کی گہرائیوں سے ناآشنا ہیں۔ خودی یا زندگی کی ایک بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ اپنی ترقی کے کسی مرحلہ کے آغاز میں جو بھی نئی شکل وہ اختیار کرتی ہے خواہ وہ ظاہری اسباب اور حالات جنہوں نے اس شکل کا اختیار کرنا اُس کے لئے ممکن بنایا ہو کچھ ہوں وہ شکل ہمیشہ کے لئے طے پا جاتی ہے اور آئندہ کے لئے اس میں کسی قسم کا ردّو بدل ممکن نہیں ہوتا اور زندگی خواہ حیاتیاتی سطح ارتقا پر کار پرداز ہو یا نظریاتی سطح ارتقا پر یہ بات ہر حالت میں درست رہتی ہے۔"

مثلاً ایک نومولود بچہ کی شکل و صورت اور خدوخال کی جو تفصیلات آغازِ حیات میں مقرر ہو جاتی ہیں۔ وہی زندگی کے آخری لمحہ تک چلی جاتی ہیں۔ اور نشوونما سے جسم اور جسامت کے سوائے ان میں فرق پیدا نہیں ہوتا۔ اسی طرح جب کسی حیاتیاتی تقلیب کے نتیجہ کے طور پر ایک نئی نوعِ حیوانات کا جدّ اوّل یا پہلا فردِ وجود میں آتا ہے تو اس کی شکل و صورت اور اعضاء و جوارح کی جو خصوصیات اس کے جسم میں ظہور پذیر ہوتی ہیں وہ اس کی نوع میں نسلاً بعد نسلٍ جب تک کہ نوع باقی ہے، ہمیشہ موجود رہتی ہیں۔ زندگی کے عمل کی ان خصوصیات کی وجہ سے ایک نوع حیوانی یا تو اپنی ابتدائی اور اصلی صورت پر قائم رہتی ہے اور یا پھر کلیتہً "مٹ جاتی ہے۔ لیکن بدلتی نہیں۔

اسی طرح سے جب کسی نظریاتی تقلیب کے نتیجہ کے طور پر ایک نئی قدرتی (یعنی نبوّتی) نظریاتی جماعت کا جدّ اوّل یا پہلا فرد ظہور پذیر ہوتا ہے تو عمل کے وہ قواعد، رسوم، قوانین اور طریقے جو اس کے نظریہ کے خصائص ہوتے ہیں۔ اور جن کو مجموعی طور پر اس کا قانونِ شریعت کہا جاتا ہے۔ اس کی نظریاتی جماعت یا امت نسلاً بعد نسلٍ جب تک وہ اُمت باقی رہے ہمیشہ موجود رہتے ہیں۔ زندگی کی ان خصوصیات کی وجہ ایک نوع حیواتی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی طرح ایک نبی کی نظریاتی جماعت بھی یا تو اپنی ابتدائی اور اصلی حالت پر قائم رہتی ہے یا اگر اس میں زندہ رہنے کی صلاحیت نہ ہو تو کلیتہً مٹ جاتی ہے۔ لیکن بدلتی نہیں۔"

آگے چل کر ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں :

"کاش کہ مسلمانوں کو اتباع شریعت کا مشورہ دینے کی وجہ سے اقبال کو جمود کا طعنہ دینے والے یہ جانتے کہ جمود بھی زندگی کی ایک خصوصیت ہے جو کمال کی جانب زندگی کی حرکت کے لئے ضروری ہے۔ اسی جمود کی وجہ سے زندگی طبیعاتی، حیاتیاتی اور نفسیاتی قوانین کو غیر مبدّل اور لازوال بنانے میں کامیاب ہوئی ہے اور ہم اس قابل ہوئے ہیں کہ ان پر بھروسہ کر سکیں، ان سے کام لے سکیں۔ اپنی ہر کامیابی کو جمود سے محفوظ کرنے کے بغیر زندگی اپنی اگلی منزل کی طرف قدم اٹھانے کے لئے آزاد نہ ہو سکتی اور نہ ہی منزل بہ منزل چل کر یہاں تک پہنچ سکتی۔ کاش کہ جدّت پر فخر کرنے والوں کو یہ علم ہوتا کہ زندگی حیاتیاتی سطح پر مصروفِ عمل ہو یا نظریاتی سطح پر اس کا قاعدہ ہی یہ ہے کہ جب وہ مکمل اور مستقل قدر و قیمت کا ایک نمونہ پیدا کرنے میں کامیاب ہو جاتی ہے تو بار بار اس کا اعادہ کرتی ہے اور اُسے موت سے محفوظ رکھتی ہے۔ تاکہ وہ قائم اور موجود رہ کر زندگی کے ارتقائی مقاصد کے لئے کام آسکے۔"

خلاصۂ کلام

اوپر جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس سے یہ بات بخوبی ظاہر ہو جاتی ہے کہ علامہ اقبال کے نزدیک اسوۂ رسولؐ کو انفرادی اور اجتماعی زندگی میں مرکزی حیثیت حاصل ہے اس لئے وہ اس بات کے قائل ہیں[26] کہ

یادِ رسولؐ اس کثرت سے اور اس انداز میں کرنی چاہیئے کہ انسان کا قلب نبوّت کے مختلف پہلوؤں کا خود مظہر ہو جائے یعنی آج سے تیرہ سو سال پہلے جو کیفیت حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجودِ مقدس سے ہویدا تھی۔ وہ آج ہمارے قلوب کے اندر پیدا ہو جائے کیونکہ جوہر انسانی کا کمال یہی ہے کہ اسے دوست کی دید کے سوا اور کسی چیز سے مطلب نہ رہے۔ علامہ اقبال کے نزدیک یہ طریقہ بہت مشکل ہے اور یہ کتابیں پڑھنے اور تقاریر سننے سے نہیں ہاتھ آتا بلکہ نیکوں اور بزرگوں کی صحبت سے حاصل ہوتا ہے تقلید رسولؐ اور اتباع سنت کے جذبہ کو زندگی کی چھوٹی سے چھوٹی چیزوں تک حاوی اور ساری ہونا چاہیئے۔ اس ضمن میں آپ نے اسرارِ خودی میں حضرت بایزید بسطامی کی مثال دی ہے۔ جنھوں نے خربوزہ کھانے سے اس لئے انکار کر دیا تھا کہ اس میں ترکِ سنت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا اندیشہ تھا۔ اسی طرح آپ نے میلاد النبیؐ کے ایک خطبے میں مولانا روم کی مثال دی جنہوں نے ایک بار ایک بچے کا سلام لینے کی خاطر اس کی پکار پر دیر تک توقف فرمایا اور پوچھنے پر فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قسم کا واقعہ پیش آتا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی یونہی کرتے۔ علامہ اقبال کے خیال میں اس قسم کا اخلاقی ذوق صرف تقلید رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور اتباع پر پوری شدت سے کاربند ہو کر ہی پیدا کیا جاسکتا ہے۔

علامہ اقبال کی خوش قسمتی کہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے انوار و تجلیات سے زیادہ سے زیادہ فیض یاب ہوئے اور بالآخر انہی تجلیات میں جذب ہو کر رہ گئے۔

سینا ست کہ فاران است یارب چہ مقام است ایں
ہر ذرہ وجودِ من، چشمے است و تماشا ست

یہی وجہ ہے کہ آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو خراج عقیدت پیش کرنے کی غرض سے جو اشعار کہے ہیں ان میں جذبے کی حدت اپنے پورے عروج پر ہے اور ایسا کیوں نہ ہوتا جبکہ ان کے دیدۂ بینا کے سامنے وہ سارے جلوے بے نقاب ہو رہے تھے۔ جن کی اقبال کی مذہبی امنگ، صوفیانہ مزاج، حکیمانہ جستجو اور شاعرانہ ذوق کو تلاش تھی۔ بات اگرچہ شعر میں کہی گئی ہے لیکن یہ ان کا قال نہیں بلکہ حال ہے کہ:

ذکر و فکر و علم و عرفانم توئی   کشتی و دریا و طوفانم توئی

حوالے اور حاشیے

۱؎: تا مزاج عصر من دیگر فتاد   طبع من ہنگامۂ دیگر نہاد

۲؎: تیری نگاہ ناز نے دونوں مراد پا گئے   عقل غیاب و جستجو عشق حضور و اضطراب

۳؎: مکاتیب اقبال بنام محمد نیاز الدین خان مطبوعہ بزم اقبال ۲ کلب روڈ (ص ۴۰)

۴؎: آئی صدائے جبرائیل تیرا مقام ہے یہی   اہل فراق کے لئے عیش دوام ہے یہی

۵؎: قوت قلب و جگر گردد نبیؐ   از خدا محبوب تر گردد نبیؐ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۶۔ خط بنام سر اکبر حیدری مورخہ ۱۲ جون ۱۹۳۷ء مطبوعہ ضیا بار مجلہ گورنمنٹ کالج سرگودھا (اقبال نمبر) ۷۳-۱۹۷۲ء (ص ۵۰)

اصل الفاظ انگریزی میں یوں ہیں،

EVERY ATOM OF ME IS BRIMING WITH FEELINGS OF GRATITUDE TO HIM AND MY SOUL NEEDS OUTPOURINGS WHICH IS POSSIBLE ONLY AT HIS GRAVE.

۷۔ نقوش اقبال مصنفہ سید ابوالحسن علی ندوی، مترجم شمس تبریز خاں مطبوعہ مجلس نشریات اسلام کراچی (ص ۵۶)

۸۔ اقبال نامہ مرتبہ چراغ حسن حسرت مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ ریلوے روڈ لاہور (ص ۵۲)

۹۔ ایضاً (ص ۴۱-۴۲)

۱۰۔ مطالعہ اقبال مرتبہ گوہر نوشاہی مطبوعہ بزم اقبال ۲- کلب روڈ لاہور (ص ۴۶)

۱۱۔ سہ ماہی اُردو مجلہ انجمن ترقی اُردو نئی دہلی اکتوبر ۱۹۳۸ء (اقبال نمبر) (ص ۱۰۸۴)

۱۲۔ ایضاً

۱۳۔ ایضاً

۱۴۔ ڈاکٹر عبدالحمید ملک سے راقم الحروف کی ایک نجی گفتگو پر مبنی (میاں محمد شفیع صاحب نے غالباً نوائے وقت کی کسی اشاعت میں اپنے کالم م-ش کی ڈائری میں بھی اس بات کی تصدیق کی ہے)

۱۵۔ اوراق گم گشتہ مرتبہ رحیم بخش شاہین مطبوعہ اسلامک پبلیکیشنز شاہ عالمی لاہور (ص ۳۰۲)

۱۶۔ اقبال نامہ مرتبہ چراغ حسن حسرت مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ ریلوے روڈ۔ لاہور (ص ۴۲)

۱۷۔ انوار اقبال مرتبہ بشیر احمد ڈار مطبوعہ اقبال اکیڈمی کراچی (ص ۶۲)

ملا شاہ بدخشی (جو دارا شکوہ کا استاد اور حضرت میاں میر کا مرید تھا) کا یہ شعر مولوی محمد الدین فوق نے اپنی کتاب "وجدانی نشتر" میں درج کیا تھا۔ جب یہ کتاب بغرض ریویو علامہ اقبال کے پاس پہنچی تو آپ نے اس شعر پر گرفت کرتے ہوئے فوق صاحب کو لکھا۔

"تعجب ہے کہ شیخ ملا کے ملحدانہ اور زندیقانہ شعر "من چہ پروائے مصطفیٰ دارم" کو آپ اپنی کتاب میں جگہ دیتے ہیں اور پھر ملا کی تشریح کس قدر بیہودہ ہے۔ یہی وہ وحدت الوجود ہے جس پر خواجہ حسن نظامی اور اہلِ طریقت کو ناز ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر رحم فرمائے اور ہم غریب مسلمانوں کو اُن کے فتنوں سے بچائے۔"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۸ THOUGHTS AND REFLECTIONS OF IQBAL; ED: S.A. VABID, SH. MUHAMMAD ASHRAF, KASHMIRI BAZAR, LAHORE. (PAGE: 30)

۱۹ IBID (PAGE: 41)

۲۰۔ نقوش اقبال مصنفہ سید ابوالحسن علی ندوی، مترجم مولوی شمس تبریز خاں مطبوعہ مجلس نشریات اسلام کراچی۔ (ص-۲۹)

۲۱۔ ۱۹۷۵ء میں لاہور میں پروفیسر اینماری شمل کے ایک لیکچر پر مبنی جس کی رپورٹ "پاکستان ٹائمز" کی کسی اشاعت میں شائع ہوئی۔

۲۲۔ اقبال نامہ مرتبہ چراغ حسن حسرت مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ ریلوے روڈ۔ لاہور (ص ۳۸-۳۹)

۲۳۔ اوراق گم گشتہ مرتبہ رحیم بخش شاہین اسلامک پبلیکیشنز شاہ عالمی۔ لاہور (ص ۴۴، تا ۴۷)

۲۴۔ مکاتیب اقبال بنام نیاز الدین خان مطبوعہ بزم اقبال۔ ۲ کلب روڈ۔ لاہور (ص ۶)

۲۵۔ ایضاً (ص ۲)

۲۶۔ انوار اقبال مرتبہ بشیر احمد ڈار مطبوعہ اقبال اکیڈیمی۔ کراچی (ص ۲۱۷ تا ۲۱۷)

۲۷۔ LECTURES, SH: MOHAMMAD ASHRAF, KASHMIRI BAZAR LAHORE PAGE 127

۲۸۔ انوار اقبال۔ مرتبہ بشیر احمد ڈار مطبوعہ اقبال اکیڈیمی۔ کراچی (ص ۴۶ تا ۴۷)

۲۹۔ حرف اقبال مرتبہ شاملو مطبوعہ المنار اکاڈمی۔ لاہور (ص ۱۳۶-۱۳۷، ۱۴۱)

۳۰۔ SECRETS OF THE SELF BY R.A. NICHOLSON, SH: MOHAMMAD ASHRAF KASHMIRI BAZAR LAHORE PAGE: xi

۳۱۔ IBID PAGE xiii

۳۲۔ LECTURES, SH: MOHAMMAD ASHRAF, KASHMIRI BAZAR LAHORE PAGE 125

۳۳۔ مجلہ اسلامی تعلیم جلد ۱ شمارہ ۵، (ص ۳۹)

۳۴۔ حرف اقبال مرتبہ شاملو المنار اکاڈمی لاہور (ص ۱۵۱، ۱۵۲)

۳۵۔ حکمت اقبال مصنفہ ڈاکٹر رفیع الدین مطبوعہ علمی کتاب خانہ اردو بازار۔ لاہور (ص ۱۹۲ تا ۱۹۹)

۳۶۔ مقالات اقبال مرتبہ سید عبدالواحد معینی مطبوعہ شیخ محمد اشرف کشمیری بازار۔ لاہور (ص ۱۹۸)

© rasailojaraid.com